انحراف
صغیر ملال

The mystic, the poet, the artist and the scientific discoverer are in their inmost being solitary. What they do may be useful to others, and its usefulness may be an encouragement to them, but, in the moments when they are most alive and most completely fulfilling what they feel to be their function, they are not thinking of the rest of mankind but are pursuing a vision.

(BERTRAND RUSSELL)

جب چلا جاتا ہے وہ جو جانتا ہے

جب نمودار ہو کوئی جاننے والا
جو رہے موجزن شہ رگ میں اپنی
تو نمودار ہوتی ہیں اس میں
کتنی دنیائیں
رہتے ہیں جن کے باشندے
زیادہ اونچی سطح پہ
اُن لوگوں سے
جو ہوتے ہیں بنیادوں والے

اور نہیں مانتا اس کو جاننے والا
کہ باہر ظاہر ہو موجودگی جس کی
جبکہ جانتا ہے وہ اُسے
جو ہوتا ہے چیزوں کے اندر

جھانکتا ہے جس کا چہرہ
بدلتے موسموں کے دائرے سے
اور جس کی دہائی دیتی ہے صحراؤں میں اُڑتی ریت
اور پہاڑوں پر پگھلتی برف جس کا رونا روتی ہے
اور اسی کی گواہی میں لب کھولتے ہیں
چُپ چاپ بڑھتا قد
اور خاموشی سے سفید ہوتے بال

خالی ہو جاتی ہیں آنکھیں جاننے والے کی
مگر دیکھ لیتا ہے وہ
رات کی بستی کے مکینوں کو
جو مسخ کر دیتے ہیں چاند کی گولائی
چوکور شکلوں سے
اور کر دیتے ہیں اس کی لاش پانی کے حوالے

اور کھودتے ہیں آواز کے راستے میں
خلا کے گڑھے
کہ معدوم ہو جائیں صدائیں
پیغام لانے والوں کی

گذرتے ہیں دھیان سے جاننے والے کے
وہ زمانے
جب ٹوٹ جاتے ہیں عُمرا چلنے والوں کے ہاتھ
کسی کی دعاؤں سے
اور جب سوکھ جاتے ہیں بہاروں میں انجیر کے درخت
نا امید نظروں سے
اور جب غریب ہو جاتی ہیں چرواہوں کی محبت میں
بڑے باپ کی بیٹیاں
اور جب سرد کر دیتا ہے کوئی خواہش
آگ کے نزدیک

جب چلا جاتا ہے
وہ جو جانتا ہے کہ چند لوگ ہوتے ہیں
پسِ پردہ تمام لوگوں کے

جو رکھتے ہیں حساب بارش کی بوندوں کا

اور جن کی نظر میں رہتے ہیں

گرد کے ذرّات

اور جو آشنا ہوتے ہیں

ان چیزوں سے

جو ہونے کے بعد باقی نہیں رہتیں

اور پھر آسان مثالوں سے بیان کرتے ہیں

مشکل باتیں

اور چند لوگ ہوتے ہیں

جو چٹخ جاتے ہیں رونے کی شدّت سے

دھوپ کھائی گیلی مٹّی کی طرح

اور نگل لیتی ہیں جنھیں

بدن کی دراڑیں

اور جو ابھرتے ہیں بازوؤں پہ دھرے

اپنا وجود

دوسروں کے لیے

اور جب چلا جاتا ہے

وہ جو جانتا ہے زمین کو

آبائی قبرستان

اور خلا کو

گہوارہ

اس لمحے کا جو زمانہ کہلاتا ہے

تو الجھ جاتے ہیں اس کی سوچوں کے دائرے

کہ جنھیں حاصل ہو جاتی اگر تنظیم

یا کوئی ایسا جو جمع کر لیتا آنے والوں کے لیے

بے ربط کہانیاں اس کی

تو سمجھ لیتے کل کے لوگ

آج کے استعارے

کہ پیدا کر لیتا ہے جاننے والا

نئے آنے والوں میں کمی

اپنے جیسے

جو کر لیتے ہیں اختیار

اس کی طرح کا ہونا

اور نہیں جانتے کہ ہوتا ہے جبر

خود ایسا ہونا جاننے والوں کا

اور جب چلا جاتا ہے وہ جو جاتا ہے
تو خاک بہ جاتا ہے وہ گوشہ
جہاں گزارا ہو اس نے نہ نہیں دقت
اور استوار ہوتے ہیں جس کے در و دیوار
اس کی گہرائیوں پہ
اور جو ایک قدامت رکھتا ہے اپنی
تازہ ہواؤں کے درمیان
کہ الگ نہیں کرتا جاننے والوں کو عمومیت سے
مختلف ہونا فقط زمانے سے اپنے
بلکہ جدا ہوتے ہیں وہ اس لیے
کہ دیکھ سکتے ہیں سارا سلسلہ
ابتدائی لمحات سے لے کر

اور جب چلا جاتا ہے وہ جو جاتا ہے
تو یوں ہی رہتا ہے
سردیوں کے دنوں میں پھیلنا دھوپ کا
جب ساکن ہوتی ہے ہوا
اور الجھتی پھرتی ہیں آپس میں

تتلیاں
یا راتوں کو ابھرنا چاند کا
جو ڈوب جائے وجود میں
اور نمود کرنا پھولوں کا
دیکھنے والوں کے بیدار ہونے سے پہلے
اور یوں ہی رہتی ہیں
انوکھی لکیریں تصویر گروں کی
اور محتاط ضربیں سنگ تراشوں کی
اور وجد آور معنی خیزیاں
آوازوں کی تجریدا اور الفاظ کے ابہام میں

اور جب چلا جاتا ہے وہ جو جاتا ہے
تو چلا جاتا ہے یہ سب کچھ
اپنی جگہ رہتے ہوئے
کہ چلا جاتا ہے اس کے ساتھ
چیزوں کو دیکھنے کے ان گنت زاویوں میں سے
ایک زاویہ
کہ اپنے حوالے سے دیکھتا ہے وہ

اسے
کہ باہر ظاہر ہو موجودگی جس کی
اور اسے
جو ہوتا ہے چیزوں کے اندر

کسی انسان کو اپنا نہیں رہنے دیتے
شہر ایسے ہیں کہ تنہا نہیں رہنے دیتے

ان سے بچنا کہ بچھاتے ہیں پناہیں پہلے
پھر یہی لوگ کہیں کا نہیں رہنے دیتے

پہلے دیتے ہیں دلاسہ کہ بہت کچھ ہے یہاں
اور پھر ہاتھ میں کاسہ نہیں رہنے دیتے

کبھی ناکام بھی ہو جاتے ہیں وہ لوگ کہ جو
واپسی کا کوئی رستہ نہیں رہنے دیتے

دائرے چند ہیں گردش میں ازل سے جو یہاں
کوئی بھی چیز ہمیشہ نہیں رہنے دیتے

واقعی نور لیے پھرتے ہیں سر پہ کوئی !
اپنے اطراف جو سایہ نہیں رہنے دیتے

جس کو احساس ہوا افلاک کی تنہائی کا
دیر تک اس کو اکیلا نہیں رہنے دیتے

زندگی پیاری ہے لوگوں کو اگر اتنی ملالؔ
کیوں مسیحاؤں کو زندہ نہیں رہنے دیتے

برائے نام بھی سائباں ضروری ہے
زمین کے لیے اک آسماں ضروری ہے

تعجب ان کو ہے کیوں میری خود کلامی پہ
ہر آدمی کا کوئی رازداں ضروری ہے

ضرورت اس کی نہیں ہے مگر یہ دھیان رہے
کہاں وہ غیر ضروری کہاں ضروری ہے

کہیں پہ نام ہی پہچان کیلئے ہے بہت
کہیں پہ یوں ہے کہ کوئی نشاں ضروری ہے

کہانیوں سے ملال ان کو نیند آنے لگی
یہاں پہ اس لیے وہ داستاں ضروری ہے

پھر اس کے بعد راستہ ہموار ہو گیا
جب خاک سے خیال نمودار ہو گیا

اک داستان گو ہوا ایسا کہ اپنے بعد
ساری کہانیوں کا وہ کردار ہو گیا

سایہ نہ دے سکا جسے دیوار کا وجود
اس کا وجود نقش بہ دیوار ہو گیا

وہ دوسرے دیار کی باتوں سے آشنا
وہ اجنبی قبیلے کا سردار ہو گیا

سوئے ہوئے کریں گے ملال اسکا تجربہ
اس خواب گاہ میں کوئی بیدار ہو گیا

جب بھی نظر سے چاند کا رستہ گزر گیا
اس راستے سے ذہن میں کیا کیا گزر گیا

یوں تو ازل سے ٹھہرا ہوا تھا کہیں مگر
جو ایک بار آگیا لمحہ ، گزر گیا

باتیں وہی نئی ہیں جواب تک ہوئی نہیں
جو بات ہو گئی اسے عرصہ گزر گیا

آخر رکا تو بحر کے پانی سے ہی رکا
صحرا کی ریت میں سے تو دریا گزر گیا

جب بھی سوال آیا ہے بنیاد کا ملال
کیوں اس کے خدّوخال سے سایہ گزر گیا

میں ڈھونڈ لوں اگر اس کا کوئی نشاں دیکھوں
بلند ہوتا فضا میں کہیں دھواں دیکھوں

عبث ہے سوچنا لا انتہا کے بارے میں
نگاہیں کیوں نہ جھکا لوں جو آسماں دیکھوں

بہت قدیم ہے متروک تو نہیں لیکن !
ہوا جو ریت پہ لکھتی ہے وہ زباں دیکھوں

ہے ایک عمر سے خواہش کہ دور جا کے کہیں
میں خود کو اجنبی لوگوں کے درمیاں دیکھوں

خیال تک نہ رہے رائیگاں گزرنے کا
اگر ملال ان آنکھوں کو مہرباں دیکھوں

کیوں ہر عروج کو یہاں آخر زوال ہے
سوچو اگر تو صرف یہی اِک سوال ہے

بالائے سر فلک ہے تو زیرِ قدم ہے خاک
کوئی تو ہے جسے مرا اتنا خیال ہے

لمحہ یہی جو اس گھڑی عالم پہ ہے محیط
ہونے کی اس جہان میں تنہا مثال ہے

آخر ہوئی شکست تو اپنی زمین پر
اپنے بدن سے میرا نکلنا محال ہے

سورج ہے روشنی کی کرن اس جگہ ملالؔ
وسعت میں کائنات اندھیرے کا جال ہے

رات اندر اتر کے دیکھا ہے
کتنا حیران کن تماشہ ہے

ایک لمحے کو سوچنے والا
ایک عرصے کے بعد بولا ہے

میرے بارے میں جو سنا تو نے
میری باتوں کا ایک حصّہ ہے

شہر والوں کو کیا خبر کہ کوئی
کون سے موسموں میں زندہ ہے

گھر کے اندر ہے دوسرا عالم
گھر کے باہر عجیب دنیا ہے

جا بسی دُور بھائی کی اولاد
اب وہی دوسرا قبیلہ ہے

بانٹ لیں گے نئے گھروں والے
اس حویلی کا جو اثاثہ ہے

کیوں نہ دنیا میں اپنی ہو وہ مگن
اس نے کب آسمان دیکھا ہے

آخری تجزیہ یہی ہے ملالؔ
آدمی دائروں میں رہتا ہے

آئن سٹائن

اگر سمجھ جائے کوئی
کہ ستم نہیں ہوتا زمین والوں پر
مگر کرنے لگتے ہیں لوگ
خود اپنے ساتھ
زیادتی

اور جب دیکھے کوئی
بدلتے ہوئے
ان اعداد کو
جو بے تعلق ہوں بیرونی تبدیلیوں سے
اور بے لچک ہوں۔
ایک سرد پن کے ساتھ
تو سہتا ہے وہ کرب
لایعنیت کا
اور تلاش میں رہتا ہے
اس وقت کی
جو چلا گیا کہیں
اور لرزتا ہے
موجودگی کے خیال سے
اور راستہ دیکھتا ہے
ان لمحوں کا
جنھیں آنا ہوتا ہے

اور اگر پہنچنا چاہے کوئی
اس دن کے قریب
جو برابر ہے ہزار برسوں کے
تو گہری ہو جاتی ہیں آنکھیں اس کی
بلندی دیکھنے سے
اور بکھر جاتے ہیں بال
طویل سفر میں
سفید ہونے سے پہلے
اور خرچ ہوتے ہیں بے تحاشہ
وہ آنسو
سازوں کی سنگت میں
جو سمیٹے گئے ہوں
ابدی سناٹے سے
کہ پیدا ہو جاتا ہے
ایک ذاتی خلا
اور اپنی اکائیاں
اور تنہائیاں

جو مختلف ہوتی ہیں اکیلے پن سے

اور پیارا لگتا ہے سب کو

وہ

جو جان لیتا ہے کہ ایک ہی آدمی ہوتا ہے

سارے انسانوں میں

اور بے نیاز رہتا ہے اس سے

کہ پیارا لگے وہ سب کو

اس لیے

غم ناک نہیں کرتیں اُسے

باتیں اُن لوگوں کی

جو کہتے ہیں سرگوشیوں میں

کہ "یہ کیسا رسُول ہے

جو کھاتا پیتا ہے

اور بازاروں میں پھرتا ہے"

فقط زمین سے رشتے کو استوار کیا

پھر اس کے بعد سفر سب ستارہ وار کیا،

بس اتنی دیر میں اعداد ہو گئے تبدیل

کہ جتنی دیر میں ہم نے انہیں شمار کیا

جہانِ کہنہ ازل سے تھا یوں ہی گرد آلود

کہ ہم نے خاک اُڑا کر یہاں غبار کیا؟

کبھی کبھی لگی ایسی زمین کی حالت
کہ جیسے اس کو زمانے نے سنگسار کیا

بشر بگاڑے گا ماحول خود جو اس کیلئے
نہ جانے کتنے زمانوں نے سازگار کیا

تمام وہم و گماں ہے تو ہم بھی دھوکا ہیں
اسی خیال سے دنیا کو ہیں نے پیار کیا

نہ سانس لے سکا گہرائیوں میں جب وہ ملال
تو اس کو اپنے جزیرے سے ہمکنار کیا

کردار کہہ رہے ہیں کچھ اپنی زبان میں
کتنی کہانیاں ہیں اسی داستان میں

جب آج تک نہ بات مکمل ہوئی کوئی
یہ لوگ بولنے لگے کیوں درمیان میں

برسوں میں کٹ رہا ہے یہاں عرصۂ حیات
صدیاں گزر رہی ہیں کہیں ایک آن میں

اس دن کے بعد سوچنا محدود کر دیا
ایسا خیال ایک دن آیا تھا دھیان میں

ہونے کی انتہا ہے وہی آج تک ملال
جو ابتدا میں ہو گیا اس خاکدان میں

سفر حیات کا اشکال میں بیان کریں
تو زندگی ہے بہو رنگ دائرہ کوئی

ہماری تیز نگاہوں سے دھند لپٹی ہے
دکھاؤ تم اگر آگے ہے راستہ کوئی

ہو نیند کوئی بھی آخر کو ٹوٹ جاتی ہے
نہیں ہے اس سے بڑا اور سانحہ کوئی

نہ جانے بھید کھلیں کتنے اس کے پڑھنے سے
جو ایک دن ملے کاغذ گرا پڑا کوئی

کبھی ڈراتی کبھی پُر سکون رکھتی تھی
ملالؔ دُور سے آتی تھی جو صدا کوئی

چھُو ہی لیتا میں لبوں سے وہ گھٹا ممکن تھا
رُخ بدلتی نہ اچانک جو ہوا ممکن تھا

بات اَن ہونی جو تھی اب بھی وہ اَن ہونی ہے
آج ممکن جو ہوا ہے وہ سدا ممکن تھا

سب کشش کھو گیا امکان میں آتے ہی ملالؔ
کتنا دلکش رہا جب تک کہ وہ ناممکن تھا

نکل کے کیسے اندھیرے کے جال سے آیا
زمین پر ہیں ستاروں کی چال سے آیا

جو پہلا آدمی یہاں حیران ہوگیا
حیرت سے اپنی آخرش انسان ہوگیا

پہلے تو ہوشیار ہوا گرد و پیش سے
جب آشنائی ہوگئی نادان ہوگیا

دہشت زدہ بشر ہوا وحشت سے آشنا
جنگل کے بعد شہر جو گنجان ہوگیا

زور آوری ہے ہونے نہ ہونے کے درمیان
دنیا ہوئی کہ کھیل کا میدان ہوگیا

سارے جہان کے لیے دشوار ہی سہی
اس کے لیے میں کس قدر آسان ہوگیا

سوئے رہو ملالؔ کہ اس خواب گاہ میں
دیکھا ہے جس نے چھت کو پریشان ہوگیا

جو ہنگاموں سے اپنے آشنا تھا
وہی تنہائیوں میں سوچتا تھا

وہ لرزیدہ فلک کے فاصلوں سے
وہ گرد و پیش سے حیرت زدہ تھا

نکل آئے تھے سب اپنے گھروں سے
نہ جانے کیا کسی نے کہہ دیا تھا

نتیجہ اخذ کیا کرتا ہیں اس سے
جواب اپنی سوال اپنی جگہ تھا

ملال انسان صدیوں بعد آیا:
یہاں ہونا تھا جو وہ ہو چکا تھا

ایک لمحے کے لیے

اگر رک جائے کوئی ایک لمحے کے لیے
ایک لمحے کی خاطر
تو چل پڑے زمانے کے ساتھ
اور گفتگو کرے ہواؤں سے
کہ خلا میں آتی نہیں آواز
خیال آتے رہتے ہیں
جو اثر انداز نہیں ہوتے

سوتے ہوئے لوگوں پر

کہ ثابت ہے موت کا پلٹ کر سونا نیند کے ساتھ

جو جھٹک دیتی ہے آخر

ہر لحظہ بدلتی ہوئی طبیعت رکھنے والی ساتھی

نیند کو

جو زیادہ غور طلب ہے موت سے

جیسے سڑک کے کنارے بیٹھی پاگل عورت

زیادہ حیران کرتی ہے

پاگل مرد سے

کہ شامل ہے عورت پن میں

زیادہ برداشت کرنا خوابوں کا ٹوٹنا

جن سے

روشن تعبیریں پھوٹنے کا امکان ہوتا ہے

جیسے جنم دیتی ہے خشک چہرہ مٹی

کھلکھلاتے پھولوں کو

جو پتیاں رکھتے ہیں ازل سے

طاق اعداد میں

اس طرح

کہ کبھی کبھی تو بڑی لگتی ہے ترتیب

تخلیق سے

اور ترتیب دینے والا

تخلیق کرنے والے سے

یا شاید وہی ہوتا ہے خالق جو دے سکے ترتیب

کھل سکتے ہیں یہ بھید

اور اسی طرح کے دوسرے

مگر رکتا نہیں ہے کوئی

ایک لمحے کی خاطر

ایک لمحے کے لیے

لب بستگی کے رشتے وہ جب آشکار ہو
خاموش کیوں نہ اس کا یہاں رازدار ہو

جب دیکھتا ہوں سب ہیں یہاں اسکے منتظر
کیوں چاہتا ہوں اس کو مرا انتظار ہو

قدموں کے ساتھ خاک کی آلودگی تو ہے
لازم نہیں جو پہنچے یہاں شہسوار ہو

گہرائیوں میں سانس لیا تو مجھے ملال
سر کو بلند رکھنے کا انداز آ گیا

گہرائیاں یہاں کی جزیروں کے ساتھ ہیں
جو ڈوب جائے ان میں وہی ہمکنار ہو

ردّ و بدل کا اب اسے احساس ہو گیا
معزول جو ہوا تھا وہی برقرار ہو

پتے گرے تو کونپلیں پھوٹیں خیال کی
موسم وہی بہار ہے جو سازگار ہو

ممکن ہے کائنات کے کہنہ نظام میں
جو انتظام لگتا ہے وہ انتشار ہو

جو جانتا ہے کتنا میں آگے نکل گیا
ٹھہروں اسی کے پاس اگر اختیار ہو

جو ایک بار ہو گیا وہ ہو گیا حلال
ہونے کو کوئی چیز یہاں بار بار ہو

ایک رہنے سے یہاں وہ ماورا کیسے ہوا
سب سے پہلا آدمی خود سے جدا کیسے ہوا

ابتدا میں کیسے صحرا کی صدا سمجھی گئی !
اور پھر سارا زمانہ ہمنوا کیسے ہوا

چند ہی ننھے لوگ جن کے سامنے کی بات تھی
میں نے ان لوگوں سے خود جا کر سنا کیسے ہوا

تیرے بارے میں اگر خاموش ہوں میں آج تک
پھر ترے حق میں کسی کا فیصلہ کیسے ہوا

جبکہ ثابت ہو چکا نقصان ہونے کا ملال
فائدہ کیا سوچنے سے کیوں ہوا کیسے ہوا

عجیب لوگ ہیں پہلے عذاب دیکھتے ہیں
پھر اس کے بعد وہ کہنہ کتاب دیکھتے ہیں

ہو سہل کیسے یہاں تہہ سے آشنا ہونا
ہے سطح خاک کی جو زیر آب دیکھتے ہیں

جو دیکھتے ہیں مہ و مہر کی نگاہوں سے
نہ جانے کتنے یہاں انقلاب دیکھتے ہیں

بس اتنی سی ہے حقیقت کہ آنکھ والوں کو
جہاں تلک نظر آتا ہے خواب دیکھتے ہیں

کوئی تو چیز اندھیرے میں ہے ازل سے ملال
نکل کے خاک سے جو آفتاب دیکھتے ہیں

ٹھہریں کہاں کہ زیست کی ہے شکل دائرے
حرکت یہی رہے گی یوں ہی ہونگے قافلے

کس خوبصورتی سے تماشا گیا ہوں میں
چہرے پہ میرے نقش ہیں اس کی خراش کے

جتنا سفر کا وقت یہاں مختصر ہوا
ہوتے رہے طویل یہاں اتنے فاصلے

تنہائی تھی پسند کہ تخلیق کار تھا
تیری طرف جھکا ہوں کہ تکمیل ہو سکے

کیا ہو گیا ملال جو لگتے اداس ہو
دیکھے نہیں ہیں تم نے یہاں اور حادثے

پھر ابتدا کی طرف ہو گا انتہا کا رُخ
ہم ایک دن یہاں شکلیں بدل رہے ہوں گے

بس اس خیال سے دیکھا تمام لوگوں کو
جو آج ایسے ہیں کیسے وہ کل رہے ہوں گے

نکل گئے تھے جو صحرا میں اپنے آپی دُورا
وہ لوگ کون سے سورج میں جل رہے ہوں گے

عدم کی نیند میں سوئے ہوئے کہاں ہیں وہ اب
جو کل وجود کی آنکھوں کو مل رہے ہوں گے

ملالؔ ایسے کئی لوگ ہوں گے رستے میں
جو تم سے تیز یا آہستہ چل رہے ہوں گے

ہمیشہ نفی میں اپنا جواب آئے یہاں
ہمیں جو وقت سے کرنا حساب آئے یہاں

ہوں آسمانی صحیفے تو کیسے قلم منسوخ
اگر زمین سے کوئی کتاب آئے یہاں

جواز کوئی نہ ثابت ملالؔ ان کا ہوا
عجیب طرح کے ہم کو تو خواب آئے یہاں

اک قبیلے میں تھا سردار کا بیٹا شاعر
اس قبیلے کو کبھی خوں نہ بہاتے دیکھا

جو شہزادہ ترے در پر کھڑا ہے
بتا اس کے لئے کیا فیصلہ ہے

الگ ہے خاک سے کچھ عادتوں میں
جو تارا آسماں سے آ گرا ہے

میں جس الزام پر نکلا وطن سے
تری بستی میں کیا اس کی سزا ہے

سمندر ہو اگر منزل تمھاری
تو دریا سب سے سیدھا راستہ ہے

اترنا اپنی گہرائی میں آساں
سلامت لوٹ آنا معجزہ ہے

اگر سوچو تو ہر آدم کا بیٹا!
زمیں کی گردشوں میں ایک سا ہے

وہیں اب زندگی گزرے گی اپنی
جہاں کوئی پہاڑی سلسلہ ہے

آبادیاں فاصلوں پہ ہوتی ہیں

دریاؤں کے ساتھ ساتھ ہوں
یا ریگستان میں جھیلوں کے قریب
یا پہاڑوں کے درمیان
فاصلے رکھتی ہیں آبادیاں
کہ فاصلے کی شکلیں ہیں
طوالت اور وسعت اور سمتیں
اور فاصلوں پہ ہوتی ہیں آبادیاں

اپنے اپنے موسموں اور تہواروں کے ساتھ
اور راستے میں آتے ہیں اکثر
کسی عصا سے نہ کھلنے والے سمندر
اور بے نمو صحرا
اور گو بختی وادیاں
جبکہ
پانی پہ چلا نہیں جا سکتا
اور صحرا میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی
اور دے نہیں سکتا کوئی وادیوں میں
خاموشیوں کو جواب
مگر
طے کرنے ہوتے ہیں فاصلے
اس لیے کہ
فاصلوں پہ ہوتی ہیں آبادیاں

جسے سناؤ گے پہلے ہی سن چکا ہوگا
مجھے یقین ہے یہ ایسا واقعہ ہوگا

جو آج تک ہوا کچھ کچھ سمجھ میں آتا ہے
کوئی بتاؤ یہاں اس کے بعد کیا ہوگا

خلا میں پائیں گے تارا جو دور تک نکلے
پھر اس کے بعد بہت دور تک خلا ہوگا

سمجھتا ہوں میں اگر سب علامتیں اس کی
تو پھر وہ میری طرح سے ہی سوچتا ہو گا

یہاں تو اب بھی ہیں تنہائیاں جواب طلب
یہاں وہ پہلے پہل کس طرح رہا ہو گا

شکستہ پائی سے ہوتی ہیں بستیاں آباد
جو اب قبیلہ ہوا پہلے قافلہ ہو گا

قدیم کر گئی خواہش جدید ہونے کی
کسے خبر تھی یہاں تک وہ دائرہ ہو گا

پسند ہوں گی ابھی تک کہانیاں اس کو
وہ میرے جیسا کوئی اب بھی ڈھونڈتا ہو گا

فضا زمین کی تھی اتنی اجنبی کہ ملال
ستارہ وار کہیں راکھ ہو گیا ہو گا

یہاں جو آیا ابد کی اسی قطار میں ہے
میں جس حساب میں ہوں تو بھی اس شمار میں ہے

جو طعنہ زن ہوں، کنارہ کشی پہ ان سے کہو!
کہ جیت ایک کی کیوں دوسرے کی ہار میں ہے

اسے پسند ہوں تکمیل کے حوالے سے
کہ زرد رنگ بھی شامل مرے نکھار میں ہے

ملال آ کے جبینوں کو جو بلند کرے!
زمانہ سرنگوں اب اس کے انتظار میں ہے

جب سامنے کی بات ہی الجھی ہوئی ملے
پھر دور دیکھتی ہوئی آنکھوں سے بھی ہو کیا

ہاتھوں سے چھُو کے پہلے اُجالا کریں تلاش
جب روشنی نہ ہو تو نگاہوں سے بھی ہو کیا

حیرت زدہ سے رہتے ہیں اپنے مدار پر
اس کے علاوہ چاند ستاروں سے بھی ہو کیا

پاگل نہ ہو تو اور یہ پانی بھی کیا کرے
وحشی نہ ہوں تو اور ہواؤں سے بھی ہو کیا

جب دیکھنے لگے کوئی چیزوں کے اس طرف
آنکھیں بھی تیری کیا کریں باتوں سے بھی ہو کیا

یوں تو مجھے بھی شکوہ ہے ان سے مگر ملال
حالات اس طرح کے ہیں لوگوں سے بھی ہو کیا

آئندہ ہیں سفر کا تو حاصل ہوا خیال
حل ہو سکا نہ گزرے ہوئے وقت کا سوال

شاید مرا وجود عناصر سے ہے الگ
باہر کی چوٹ لائی ہے اندر سے اندمال

پیچیدہ سلسلے کو دو حصوں میں بانٹ کر
اک کو عروج کہنا پڑا ایک کو زوال

اُن کے ہی راستے ہیں اُنہی کی ہیں منزلیں
حرکت زمیں پہ بھی ہے ستاروں کی ایک چال

پلٹے تو سر بلند مگر اتنا سوچ لو
گم ہو گئے تو رہنا پڑے گا وہیں ملال

کیسے مانوں کہ جہاں خواب نما ہوتا ہے
جبکہ ہر شخص یہاں آبلہ پا ہوتا ہے

دیکھنے والوں کی آنکھوں میں نمی ترقی ہے
سوچنے والوں کے سینے میں خلا ہوتا ہے

لوگ اِس شہر کو خوشحال سمجھ لیتے ہیں
رات کے وقت بھی جو جاگ رہا ہوتا ہے

گھر کے بارے میں یہی جان سکا ہوں اب تک
جب بھی لوٹو کوئی دروازہ کھلا ہوتا ہے

فاصلے سمٹے ہیں اس طرح نئی دنیا میں
اپنے لوگوں سے ہر اک شخص جدا ہوتا ہے

میرے محتاج نہیں ہیں یہ بدلتے موسم
مان لیتا ہوں مگر دل بھی بُرا ہوتا ہے

چاندنی رات نے احساس دلایا ہے ملاؔل
آدمی کتنے سرابوں میں گھرا ہوتا ہے

یقیں کی خاک سے کتنے گماں نکل آئے
تری تلاش میں جانے کہاں نکل آئے

نئی فضائیں قدامت پرست ہیں اب تک
ذرا سی بات پہ تیر و کماں نکل آئے

ملاؔل پھول ہی پاؤں تلے کوئی روندیں
کوئی تو صورتِ آہ و فغاں نکل آئے

کوئی اداس شام اگر اترے اس جگہ
وہ میرے گھر ضرور ٹھہرتی ہے رات بھر

یہ زمانہ کہیں بیٹھا ہوتا
میری سوچوں کا جو سایہ ہوتا

چاند تاروں سے خلل ہے ورنہ
ایک خاموش اندھیرا ہوتا

شہر میں آنے لگے خانہ بدوش
کاش صحراؤں نے روکا ہوتا

حل ہوا ہوتا ہوا ڈر ہی کہیں
اور کچھ دیر جو سوچا ہوتا

تیری نظریں بھی فلک تک جاتیں
خواب گاہوں سے جو نکلا ہوتا

کہکشاؤں کے خلاؤں سے ملال
کوئی میری طرح سہما ہوتا

خوشی کی بات یہ ہے

خوشی کی بات یہ ہے
کہ ہم جتنے پرندے قید میں دیکھتے ہیں
ان سے کہیں زیادہ
آزاد نظر آتے ہیں

اور مچھلیوں کو اسیری کا احساس نہیں ہوتا
انہیں تو پانی چاہیئے

وسعت نہیں

اور پھولوں کی عمر پھولوں جتنی ہی ہوتی ہے
چاہے وہ شاخ پر رہیں
یا ہماری انگلیوں میں

خوشی کی بات یہ ہے
کہ ہم کو گھروں اور نمائشوں اور انگلیوں کے لیئے
بہت کم پرندوں اور مچھلیوں اور پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے

گزر کے ہر کوئی اِک مرحلے سے آیا ہے
یہاں جو آیا اسی سلسلے سے آیا ہے

ہر ایک شکل کی تکمیل کو ضرورت تھی
مگر شعور ہمیں دائرے سے آیا ہے

وہ آشنا ہوا بنیاد کے تصوّر سے
جو شخص لوٹ کے گھر راستے سے آیا ہے

تمام تجربہ گاہیں زمیں سے ابھریں
تمام علم اسی مدرسے سے آیا ہے
ملا کے آدمی اس کو الگ کرے کیسے
جو اس کے ساتھ نظر بچپنے سے آیا ہے

خوش ہو بیاں پہ کوئی کہ دل گیر ہو کوئی
سب کے لیے بس ایک ہی تقریر ہو کوئی

تفہیم کے لیے ہیں الگ سب کے زاویے
لازم نہیں کلام کی تفسیر ہو کوئی

ترتیب کی بھی حد ہے کہ محدود رنگ ہیں
میرے لیے اب ایک ہے تصویر ہو کوئی

میں نے اسی لیے اسے آزاد کر دیا
کیوں میرے پاؤں کے لیے زنجیر ہو کوئی

آئندہ کا بھی دیکھ لیں منظر اگر ملال
ماضی میں لوٹ جانے کی تدبیر ہو کوئی

جس کو طے کر نہ سکے آدمی صحرا ہے وہی
اور آخر مرے رستے میں بھی آیا ہے وہی

یہ الگ بات کہ ہم رات کو ہی دیکھ سکیں
ورنہ دن کو بھی ستاروں کا تماشہ ہے وہی

اپنے موسم میں پسند آیا تھا کوئی چہرہ
پھر وہ موسم تو بدلتے رہے چہرہ ہے وہی

ایک لمحے میں زمانہ ہوا تخلیق ملالؔ
وہی لمحہ ہے یہاں اور زمانہ ہے وہی

کونؔ وجود کی سب حالتوں سے واقف ہے
اور آج ہی کا نہیں مدّتوں سے واقف ہے

یہاں سے ساتھ لیا ہے مقامی باشندہ
یہاں سے آگے وہی راستوں سے واقف ہے

مرے نشان ہیں اب تک بدن پہ اس کے ملالؔ
اسے پسند ہوں جو شدّتوں سے واقف ہے

یہ چند دائرے یہ چند گردشیں سی ملاک
یہی حیات یہی کائنات ہے شاید

نہ جانے کیوں سدا ہوتا ہے ایک سا انجام
ہم ایک سی تو کہانی سدا نہیں کہتے

فضا کا لفظ ہے اس کیلئے الگ موجود
جو گھر ٹھہرتی ہے اس کو ہوا نہیں کہتے

نیا شعور نئے استعارے لاتا ہے!
ازل سے لوگ خدا کو خدا نہیں کہتے

جو گیت چنتے ہیں خاموشیوں کے صحرا سے
وہ لب کشاؤں کو راز آشنا نہیں کہتے

جہاں پہنچنا ہے آغاز بھی وہیں سے ہوا
سفر سمجھتے ہیں اس کو سزا نہیں کہتے

زمانے بھر سے اُلجھتے ہیں جس کی جانب سے
لیکلے پن میں اسے ہم بھی کیا نہیں کہتے

جو دیکھ لیتے ہیں چیزوں کے آر پار ملال
کسی بھی چیز کو اتنا بُرا نہیں کہتے

سکون سے تو سمندر میں ڈوب کر ٹھہرا
اگرچہ راہ میں دریا بھنور بھنور ٹھہرا

بہت حسین لگی میری داستاں اس کو
وہ ایک رات کا مہمان عمر بھر ٹھہرا

وہ بات کرنے زمانے سے آ گیا باہر!
میں اپنی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا گھر ٹھہرا

عجیب شہر میں گزری شبِ قیام ملال
پڑاؤ میرے لیے حاصلِ سفر ٹھہرا

دلچسپ شخص

وہ گھر سے بارش میں نہانے نکلا تھا
بھیگنے کے لیے نہیں
مگر نہانے اور بھیگنے میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے
جتنا گہرائی اور پستی میں
جتنا بے خواب نیند اور موت میں

جتنا ویرانے میں آگ تاپتے خاک آلود مجذوب
اور اندرونِ شہر کی شاہ راہ پہ گھومتے زنگ خوردہ پاگل میں

جتنا خشکی پہ کھینچی گئی بلکتی مچھلی کی پھولی ہوئی گردن
اور ڈوبتے آدمی کی وحشت زدہ آنکھوں میں
جتنا ہارے ہوئے ذہین آدمی کی چالاک باتوں
اور فتح مند عیار کے تکبر میں
پھر یوں ہوا کہ اب وہ
ایک بھیگا ہوا
دلچسپ شخص ہے

خود سے نکلوں تو الگ ایک سماں ہوتا ہے
اور گہرائی میں اتروں تو دھواں ہوتا ہے

اتنی پیچیدگی نکلی ہے یہاں ہوتے میں
اب کوئی چیز نہ ہونے کا گماں ہوتا ہے

سب سوالوں کے جواب ایک سے ہو سکتے ہیں
ہو تو سکتے ہیں مگر ایسا کہاں ہوتا ہے

ساتھ رہ کر بھی یہ اک دوسرے سے ڈرتے ہیں
ایک بستی میں الگ سب کا مکاں ہوتا ہے

اک تسلسل کی روایت ہے ہوا سے منسوب
خاک پر اس کا امیں آبِ رواں ہوتا ہے

کیا عجب راز ہے ہوتا ہے وہ خاموش ملال
جس پہ ہونے کا کوئی راز عیاں ہوتا ہے

جس کے لیے سوال نہ کوئی جواب ہے
اس امتحان گہہ میں وہی کامیاب ہے

ہونا ازل سے ابھرا نہ ہونے کی خاک سے
تعبیر پہ محیط ہمیشہ سے خواب ہے

خود اجنبی ہیں میرے لیے بیشتر حروف
میری زبان میں یہ کسی کی کتاب ہے

محدود وقت ترے لیے منتخب ہوا
دوران اس کے جو ہے ترا انتخاب ہے

اس میں ہے درج وہ کہ جو باقی بچا ملال
مجھ میں جو خرچ ہو گیا اس کا حساب ہے

الگ ہیں ہم کہ جدا اپنی رہگزر میں ہیں
وگرنہ لوگ تو سارے اسی سفر میں ہیں

یہاں سے ان کے گزرنے کا ایک موسم ہے
یہ لوگ رہتے مگر کون سے نگر میں ہیں

ہماری جست نے معزول کر دیا ہم کو
ہم اپنی وسعتوں میں اپنے بام و در میں ہیں

جو دربدر ہو وہ کیسے سنبھال سکتا ہے
تری امانتیں جتنی ہیں میرے گھر میں ہیں

عجیب طرح کا رشتہ ہے دائروں سے ملال
جُدا جُدا سبھی سب ایک ہی بھنور میں ہیں

کتنے جہاں لہو میں ہیں میرے رواں دواں
نکلا بدن سے اپنے تو دیکھوں گا آسماں

گردش جو دائرے میں نہ ہوتی زمین کی،
پھرتی یہ کائنات میں جانے کہاں کہاں

کرتا نہیں ہے کوئی سمندر سے گفتگو
سُنتا نہیں ہے کوئی پہاڑوں کی داستاں

اِک اعتبار سے ہیں قدم سارے سود مند
اِک زاویے سے ساری مسافت ہی رائیگاں

پُرپیچ وادیوں میں بھی صحراؤں میں بھی لوگ
کتنے عجیب فاصلے حائل ہیں درمیاں

کیوں اور کوئی آئے یہاں میں بھی خوش نہیں
قدموں کے اپنے خود ہی مٹاتا چلوں نشاں

میرا بدن پگھل نہ سکا دھوپ سے مگر
جو میرے سائے میں تھا وہ مجھ سے زنگا و چھول

کرتا رہا نجات کی باتیں ہر ایک سے
ایسا ہی کرتے اور کسی کو سنا بھی ہے

ہم ہیں ستارہ جو وہ ستارہ شناس تھے
اجداد نے جو ہم سے کہا وہ ہُوا بھی ہے

پوچھو کبھی کسی سے یہاں کیسے آگیا !
ایسے سوال پوچھنے میں اک مزا بھی ہے

لمحہ کہ جو ابد سے ازل میں چلا گیا
کیا آکے لمحے بھر کو یہاں وہ رُکا بھی ہے

کیوں ایک حد سے آگے گئے تھے ملالؔ تم
جب جانتے تھے حد سے گزرنا بُرا بھی ہے

ذرّے نہ سیکھ ہواؤں سے جن کا گھر ہی نہیں
جو منزلوں کیلئے طے ہو وہ سفر ہی نہیں

وہ حادثے جو کسی کہکشاں میں کب کے ہوئے
زمین والوں کو ان کی ابھی خبر ہی نہیں

سحر سے شام تلک ہیں زوال آمادہ!
اور ان پہاڑوں پہ صدیوں کا کچھ اثر ہی نہیں

پرانے شہر کی گلیاں نئے گھروں میں ہیں اب
کہ دھوپ اور ہوا کا جہاں گزر ہی نہیں

ملالؔ ایسا چمن ڈھونڈتا ہے اپنے لیے
درخت گرتے ہوں خود بھی جہاں شجر ہی نہیں

ظاہر ہے آئیں گے تو کسی ڈر سے آئیں گے
شاید بدل چکے ہوں جو باہر سے آئیں گے

دریاؤں کے سفر میں تو شامل ہے کج روی
سیلاب ہوں گے وہ جو سمندر سے آئیں گے

ان کے لئے بھی دائرہ ہوگا یہی ملالؔ
جو آئیں گے یہاں اسی محور سے آئیں گے

میں خواب میں چلتا ہُوا آیا ہوں ترے پاس
اے دوست مجھے نیند سے بیدار نہ کرنا

گر مرے دوست تجھے لوگ بُرا کہتے ہیں
کوئی تدبیر بتا میں بھی بُرا ہو جاؤں

سُراغ جس کی کسی بات کا نہیں ملتا
اسے تو خود سا کوئی دوسرا نہیں ملتا

سفر کی فیض رسانی بھی کل کی بات ہوئی
کہ اب زمیں پہ کہیں فاصلہ نہیں ملتا

نئے شعور سے اجداد کی روایت تک
پرانے شہر کی گلیوں میں کیا نہیں ملتا

کسی کو پرکھو وہی آدمی نکلتا ہے
اور ایک جیسا کوئی دوسرا نہیں ملتا

چراغ تھامے ہوئے لوگ کہہ رہے تھے ملالؔ
یہاں سے آگے کوئی راستہ نہیں ملتا

فریب خوردہ مسافر قریب جانے لگے
کہ فاصلے سے مناظر بہت سہانے لگے

زمیں کے بیٹے بھلا کر قدیم تہذیبیں
پھر ایک بار نصیبوں کو آزمانے لگے

نئے بتوں کی پرستش سے کب کیا انکار
فقط وہ توڑ دیئے ہم نے جو پرانے لگے

یہاں سے واپسی ممکن ہے ایک لمحے میں
جہاں تلک ہمیں آتے ہوئے زمانے لگے

ملالؔ مانا کہ آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں
چراغ تو مری راہوں میں جگمگانے لگے

اِمکانات

امکان ہوتا ہے
گرج اور چمک کے ساتھ بارش ہونے کا

جہاں آسمان
کبھی صاف اور کبھی ابر آلود ہو

امکان ہوتا ہے
اس کے پاگل ہو جانے کا

جو خاموشی سے سہم کر
مسلسل باتیں کرے
اور بتانے کے لیے کم
چھپانے کے لیے زیادہ

وہ حقیقت میں ایک لمحہ تھا
جس کا دورانیہ زمانہ تھا

میری نظروں سے گر پڑی ہے زمین
کیوں بلندی سے اس کو دیکھا تھا

کیسی پیوند کاری ہے فطرت
منتشر ہو کے بھی میں یکجا تھا

روشنی ہے کسی کے ہونے سے
ورنہ بنیاد تو اندھیرا تھا

جب بھی دیکھا نیا لگا مجھ کو
کیا تماشہ جہانِ کہنہ تھا

اس نے محدود کر دیا ہم کو
کوئی ہم سے یہاں زیادہ تھا

جب کہ سورج تھا پالنے والا
چاند سے کیا لہو کا رشتہ تھا

مر گیا جو بھی اس کے بارے میں
دھیان پڑتا نہیں کہ زندہ تھا

یہیں پیدا یہیں جوان ہوا
اس کے لب پہ کہاں کا قصہ تھا

کوئی گنجان تھا کوئی ویران
کوئی جنگل کسی میں صحرا تھا

کہیں پہلے بھی تھا وہ دروازہ
فقط آواز سے جو کھلتا تھا

عمر ساری وہ نیند میں بولا
چند لمحوں کو کوئی جاگا تھا

دوڑتے پھر رہے تھے سارے لوگ
جب کہ ان کو یہیں پہ رہنا تھا

چاند تاروں سے آشنائی کے بعد
اپنے بارے میں کتنا سوچا تھا

ساری الجھن اسی سے پیدا ہوئی
وہ جو واحد ہے بے تحاشہ تھا

کہیں جانے کی سب نے باتیں کیں
کیسے آتے ہیں کون بولا تھا

اس کی تفصیل میں تھا سرگرداں
ذہن میں مختصر سا خاکہ تھا

پاس آ کر اسے ہوا معلوم
میں اکیلا نہیں تھا تنہا تھا

کس کو ابن السبیل کہتے ملال
نئے رستوں کا کون بیٹا تھا

اب دیکھتا ہے کون یہاں اس کے نقش پا
ان جنگلوں میں جس نے بنایا تھا راستہ

آیا کبھی لوٹ کر تو کوئی اور ہی تھا وہ
بچھڑا جو ایک بار کبھی پھر نہ مل سکا

اتنے شدید ہوتے ہیں موسم وجود کے
کوئی جلا ہے خود میں کوئی منجمد ہوا

بچوں کی سی خواہش بھی یہ ہے مرے دل میں
جو ختم خوشی پہ ہو کہانی وہ سُنا دے

جو ہونے والا ہے وہ سوچتے رہو خود ہی
کسی بھی شخص سے اس کا خیال مت پوچھو

یہ لوگ پہلے ہی سہمے ہوئے سے رہتے ہیں
جواب جن کے نہ ہوں وہ سوال مت پوچھو

کتنا آسان ہے تمہارے لیے
کیوں کسی کا بھلا نہیں کرتے

بنیاد یاد آئی ہے کہنہ جہان کو
تعمیر کر رہے ہیں پرانے مکان کو

مل جائے ابتدا تو کروں انتہا تلاش
پلکوں سے چھانتا ہوں ابھی خاکدان کو

اک دائرہ کہ جس سے ہیں گردش میں دائرے
اس زاویے سے دیکھا ہے کس نے جہان کو

آوازیں سن رہا ہوں میں حشراتِ ارض کی
اور گاہے گاہے دیکھتا ہوں آسمان کو

اب ان میں کر کوئی نہیں اختتامِ کار
کیوں طول دے رہے ہیں یونہی داستان کو

انسان کا شعور بدل جائے جب یہاں
بے شک بدل دے اپنے پرانے بیان کو

سائے میں بیٹھنے سے بہت لوگ سو گئے
اب کون یہ بتائے مرے مہربان کو

خود آگہی تو اپنی روایت کا علم ہے
کیوں چھوڑ دوں ملال پرانے مکان کو

فطرت سے میری ساری شکایت کو دھو گئی
نہلا گئی زمین کو جب سردیوں کی دھوپ

اے خدا ثابت ہے جب خالق ہے تو بندہ ہوں میں
کس لیے تیری طرح پھر آج تک تنہا ہوں میں

مان لو، آوارگی سے یہ الگ سی چیز ہے!
نسبتاً تاریک گلیوں میں ہی کیوں پھرتا ہوں میں

اپنی ہی گھبراہٹوں سے مضطرب دریا کوئی
وسعتوں سے اپنی ہی جلتا ہوا صحرا ہوں میں

جاننے نے توڑ دیں الفاظ کی بیساکھیاں!
اب جو ہوتا ہے سو ہو بس دیکھتا رہتا ہوں میں

مانتا ہوں یہ کہ بڑھتی ہی رہے گی روشنی
جانتا ہوں یہ بھی کہ گھٹتا ہوا سایہ ہوں میں

کیوں ہوں میں آخر یہاں کھلتا نہیں مجھ پر ملال
ایک مدت سے مجھے اس کی خبر ہے کیا ہوں میں

وہ میری داستان میں شامل نہ ہو سکا
ایسی کہانیاں مگر اس کو پسند ہیں

کسی بھی عہد کے لوگوں سے ارتقاء کی اگر
مثال مانگو تو اپنی مثال دیتے ہیں
میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں اسکی جانب جب
یہ کوئی شے مرے دامن میں ڈال دیتے ہیں

قدیم ذہن کی وسعت میں کھو گیا ہوں تلاش
ہیں معنی ڈھونڈنے نکلا تھا استعاروں کے

چنتے ہیں وہی، گوہر نایاب سفر میں،
جو لوگ نکلتے ہیں اندھیروں کے نگر میں

سکھلاؤ جو ہنستی ہوئی آنکھوں نے سکھایا
دکھلاؤ جو آتا ہے نظر دیدۂ تر میں

لپٹے رہے راتوں کے گریباں سے اجالے
تاریکیاں پوشیدہ رہیں نورِ سحر میں

اک روز میں تجسیم کروں گا تری خاطر
اس اجنبی منظر کو جو پنہاں ہے نظر میں

کوئی بھی نہیں گردشِ ایام سے آزاد
ہم لوگ ہیں سب ایک ستارے کے اثر میں

وہ مسافر جو راہ سے بھٹکے
آج تک راستہ دکھاتے ہیں

ختم تہذیب کیسے ہوتی ہے
شہر کیوں خاک میں سماتے ہیں

میں سمندر کو دیکھ کر لرزا
بھید تخلیق کے ڈراتے ہیں

ایسے موسم میں صرف بچے ہی
برف پر راستہ بناتے ہیں

کیا تمھیں علم ہے صغیر ملال
پھول کیسے نمود پاتے ہیں

آ گئے وحشتوں کے لمحے پھر
ایک بچّے سے آج کھیلے پھر

ایک بنیاد تھی اگر سب کی
کیوں بنائے ہزار چہرے پھر

ایک لکھتے جہان والے گیت
ہو کے سب ایک اس کو گاتے پھر

چبھنے لگتی ہیں دھوپ کی کرنیں
ٹوٹ جاتے ہیں خواب سارے پھر

ایک مدّت کے بعد رات ملالؔ
چاند تاروں سے خوب الجھے پھر

اس قدر جال بھر گیا ہے آج
کوئی اندر سے ڈر گیا ہے آج

کج کلاہی مری سلامت ہے
تاج تیرا اتر گیا ہے آج

کاوشِ بے حصول سے تھک کر
کوئی چپ چاپ گھر گیا ہے آج

ایک پتّے کا ٹوٹ جانا ملال
کتنا افسردہ کر گیا ہے آج

میں جو ظلمت سے نمودار ہوا
زرد رو قافلہ سالار ہوا

سوچ تو اتنے خزانوں کا خدا
کیوں دعاؤں کا طلب گار ہوا

دوستی مانگتی ہے ایک سے خواب
میرا بھائی نہ مرا یار ہوا

جتنا کھلتا گیا اپنے ہاتھوں
آدمی اتنا پُراسرار ہوا

میرا حملہ مری بنیاد پہ تھا
ذہن سے برسرِ پیکار ہوا

یہ بلندی ہے کہ پستی ہے ملال
سانس لینا یہاں دشوار ہوا

نروان

عجیب ہوتے ہیں زمین والے
کہ دھیان میں نہیں لاتے
آسمانی گواہیاں
اور نوحہ کرتے ہیں انسانی وعدوں کے ٹوٹ جانے کا
پکارتے ہیں بصیر کے لقب سے
بصارت والوں کو
اور مترادف سمجھتے ہیں روشنی کو نُور کا

جانتے ہیں خود کو ماورا
زمینی ارتعاش سے
جبکہ کھینچ دیتا ہے خراب موسم ان کی پیشانیوں پہ شکن
کرتے ہیں بیان الفاظ کا بے معنی ہونا
اور لاتے ہیں زبان پر حرفِ شکایت
ان کے لیے جو سمجھتے نہیں
کوئی حکایت
پہچانتے ہیں خدا کو
ارادوں کے ٹوٹنے سے
اپنے کمزور لمحوں کو نہیں
گردانتے ہیں کام
حرکت کو
اور تمسخر کرتے ہیں بے دست و پائی کا
چاہے خود اختیاری ہو
بچے ہیں لوگ
بے خبر
چہار اطراف سے
کر لیتے ہیں یقین بلند و پست کا

اور شک نہیں کرتے
کہ بدحواس ہوں شاید
اور قابلِ حصول سمجھتے ہیں
ہمہ علم کی منزل
بہت دشوار ہیں ملال
نجات کی راہیں

دنیا کو پہروں دیکھتے رہنا رواں دواں
اس کیفیت میں رہنا بہت باوقار ہے

خاک میں ملتی ہیں کیسے بستیاں معلوم ہو
آنے والوں کو ہماری داستاں معلوم ہو

جو اِدھر کا اب نہیں ہے وہ کدھر کا ہو گیا
جو یہاں معدوم ہو جائے کہاں معلوم ہو

کتنی مجبوری ہے لامحدود اور محدود کی
بیکراں جب ہو سکیں تب بیکراں معلوم ہو

مرحلہ تسخیر کرنے کا اسے آسان ہے
گر تجھے اپنا بدن سارا جہاں معلوم ہو

جو الگ ہو کر چلے سب گھومتے ہیں اسکے گرد
یوں جدا ہو کر گذر کہ درمیاں معلوم ہو

ایک دم ہو روشنی تو کیا نظر آئے ملالؔ
کیا سمجھ پاؤں جو سب کچھ ناگہاں معلوم ہو

جو اس دیار میں ہو اجنبی ملے مجھ کو
زمیں والوں میں مجھ سا کوئی ملے مجھ کو

اسے بتاؤں کہ وہ بھی مری تلاش میں تھا
میں جس کو ڈھونڈتا ہوں گر کبھی ملے مجھ کو

بسر کروں گا اسی طرح سے ملالؔ یہاں
نئے سرے سے اگر زندگی ملے مجھ کو

میں نے نزدیک سے دیکھا ہے جہانِ کہنہ
میری گزرے ہوئے لمحوں سے شناسائی ہے

انجام ان کو اپنا نظر آ ئے گر سُنیں
ہم اپنی داستان کسی سے تو کہہ سکیں

اتنی خستہ ہوئی ہیں کہ آیا جو زلزلہ
سجدہ کریں گی شکر کا کہنہ عمارتیں

ہاتھوں سے توڑ سکتے ہیں زنجیر پاؤں کی
پاؤں سے کیسے کھول دیں ہاتھوں کی بندشیں

آسائشوں سے جس کی یہاں ذہن کند ہوں
ایسے دیار سے تو کہیں دُور جا بسیں

اکثر خود آگہی نے دکھایا ہے رات کو
انسان کے ہیں راستے تاروں کی منزلیں

حالانکہ ہم کو تحفے میں کچھ بھی نہیں ملا
ہم سے نہ ہو سکا کہ کوئی چیز بیچ دیں

گہرائی سے نکلنے کو جی چاہتا ہے آج
جی چاہتا ہے آج تجھے پاس روک لیں

آئے نہیں جو اُن کیلئے کیا کہوں ملال
جو آ گئے ہیں لوگ ہمیشہ یہیں رہیں

اگر افق پہ انہیں دور تک نظر آئے
تو سارا شہر مرے بازوؤں میں آ جائے

حسین رنگ ہیں لیکن خراب آمیزش
ترے نقوش پہ دیکھے زوال کے سائے

بدن کو چاہیئے آب و ہوا زمیں کی ملال
خیال میرا خلاؤں کے خواب دکھلائے

زمین ماں کا ہے کتنا عجیب ہم سے سلوک
عجیب رحمتیں اس کی عجیب اس کے عذاب

اگر گذاری ہوئی پہلے زندگانی لگے
سنی سنائی سی پھر کیوں نہ ہر کہانی لگے

کبھی ڈرا تو کبھی خوش ہوا کہ یہ دنیا
کبھی نئی تو کبھی اس قدر پرانی لگے

مرے شعور سے قائم ہے یہ جہانِ ملال
یہ کائنات مجھے میرے ساتھ فانی لگے

عجیب لگتا ہے ہم کو جو شخص بچپن میں
وہ عمر کے کسی حصّے میں یاد آتا ہے
جو ہاتھ غیب سے دانے بکھیرتا ہے ملال
وہی عدم کی ہوا میں ہمیں اڑاتا ہے

دائرے

موسموں کے بدلنے سے
روشنی کے سرداروں کی شریانوں میں
تندہی کی جگہ
آگہی بہتی ہے
مٹیالی، بھوری، زرد آگہی
جو مایوس کرتی ہے
بے حسی کی ہم زاد

افسردگی کی پروردہ
جو گھٹنوں پہ سر رکھ کر
انتظار کرتی ہے
ہوا کے کسی دائرہ دار جھونکے کا

موسموں کے بدلنے پر
بپھرے ہوئے دریا کے کنارے پہ خیمہ انداز
روشنی کے حملہ آور شہزادے
طوفان اٹھاتی راتوں میں
بجلی کی چمک کے نیچے
انتظار کرتے ہیں
موسم کے بدلنے کا

بڑا عجیب سا لیکن بہت ہی گہرا تھا
وہ ایک شعر جو سوتے سے اٹھ کے لکھا تھا

سمجھ کے مُردہ جسے کارواں نے چھوڑ دیا
ہر آدمی کو خبر تھی کہ سانس لیتا تھا

سراغ لگ نہ سکا کچھ بھی اسکے ماضی کا
ملا تھا مجھ کو تو بجھتا ہوا سا شعلہ تھا

پھر ان دنوں وہی لرزش ہے اسکے ہونٹوں پر
انہی دنوں میں وہ پچھلے برس بھی بولا تھا

زمیں کو اب تو سبھی خاک دان کہتے ہیں
یہ نام اس کا مگر پہلے کس نے رکھا تھا

گھٹا نے چاند کو ڈھانپا تو گر گیا میں بھی
مرے لیے تو فقط چاندنی کا رستہ تھا

خدا گواہ کہ دل میں نہیں تھا کچھ بھی ملال
اٹھا کے جب کوئی پتھر ندی میں پھینکا تھا

شہر بھر سے ہو شناسائی مگر تنہا رہے
کوئی تو آخر یہاں میری طرح زندہ رہے

جانے کن باتوں کو میری وہ زمانہ بھول جائے
جانے کن باتوں کا میری بعد میں چرچا رہے

پیاس ہی شاید کبھی نہ پھر مجھے محسوس ہو
سامنے آنکھوں کے گر دریا کوئی بہتا رہے

شام جیسی صبح تھی پر رات جیسا دن نہ تھا
جانے ان اوقات میں کیا راز پوشیدہ ہے

ہو رہا ہے جو بھی کچھ چاروں طرف بے سوچ ہے
یہ ضروری بھی ہے لیکن اس طرح ہوتا ہے

ہر طرح کی خواہشیں ہوتی رہیں پوری ملالؔ
شہر بھی ہوا اور اس کے ساتھ ہی صحرا ہے

ایک خامی تھی سب سہاروں میں
بات کرتے رہے اشاروں میں

کہکشاؤں سی پیچداری ہے
ذہنِ انساں کی رہگذاروں میں

کتنا لڑتی ہیں خواہشوں سے ملالؔ
گاؤں کی لڑکیاں بہاروں میں

جو لوگ میرے ساتھ ہی رہتے ہیں وہ ملا کل
کتنے عجیب دُور سے آتے ہوئے لگے

اِک ڈھول بجا ہنگامہ ہے
جو شہروں شہروں پھیلا ہے

جب گھر سے نکلا پیچھے تھا
اب آگے میرا سایہ ہے

کسی گوشے سے آجائے گا
وہ سرد ہوا کا جھونکا ہے

جو سُورج میں ہے داغ ملال
وہ چاند میں ہو تو چہرہ ہے

حیرت ہوتی ہے

حیرت ہوتی ہے
جب حیران نہ کریں شہر والوں کو
وہ باتیں
جو اتنی غور طلب ہوں
لیکن رہیں جانی بوجھی فضاؤں کے
انجانے پن میں
اور جب خیال نہ آئے انہیں

قدرتی اختتام

موت سے زیادہ
زندگی کے غیر فطری پن کا
اور جب چھیڑیں ان کے دھیان کو
بہکی بہکی باتیں
اور آنکھوں کا خلا
بارابطہ گفتگو اور بصیرت سے بڑھ کر
جو زیادہ بڑی نشانیاں ہیں

حیرت ہوتی ہے
جب حیران نہ کریں
ایک سے تاریخی حادثے
مختلف زمینی ماحول میں
اور ملتے جلتے فرماں روا
ان نسلوں کے
برعکس ہوں جن کی سوچوں کے راستے
جبکہ الگ ہوتے ہیں

پرندے اور پھول
زمین کے اُن خطوں کے
جنھیں جُدا کرتا ہے پانی

ملے ہیں بچھڑے ہوئے لوگ قافلے میں بھی
نصیب گھر کی سہولت تھی راستے میں بھی

جو ابتدا میں الگ سوچنے کی حد تک تھا
عجیب ہو گیا آخر وہ دیکھنے میں بھی

ملالؔ اب میں سمجھتا ہوں وسعتیں جن کی
پسند تھے مجھے وہ لوگ بچپنے میں بھی

یہ لوگ کس طرح چیزوں کو دیکھتے ہیں ملالؔ
کہ ان سے پوچھو تو کچھ اور ہی بتاتے ہیں

ہر قدم پر کوئی نشانی ہے
یہ زمیں کس قدر پرانی ہے

جمی ہے پلکوں پہ اس طرح دربدر کی دھول
خیال آنے لگا اب تو گھر بسانے کا

یہ عہد بھی نہ کہیں خاک میں سما جائے
اسے بھی خبط ہوا برتری جتانے کا

درخت شہر کی تزئین کے جو کام آیا
پیامبر نہ رہا موسموں کے آنے کا

نتیجہ دونوں کا ذہن و نظر کی وسعت ہے،
صلہ الگ نہیں کھونے کا اور پانے کا

یہ انکسار یہ آداب اکتسابی ہیں
مرا لہو ہے بہت مختلف گھرانے کا

ملال چاندیوں کا سر بدست ابھرا تھا
کہ رات کھل گیا در یاد کے خزانے کا

چاند کا دُوسرا رُخ

اگر تم نے کبھی
گونجتی وادیوں میں سُنا ہے
عورتوں کا جنازوں پہ رُونا
تو تم جانتے ہو گے
کہ "لرزہ خیز" جیسے شدید الفاظ
شہروں میں ہم
فقط زبان کی وُسعت کے لیے استعمال کرتے ہیں

اور اگر تم نے کبھی
بچوں کو ہنستے
دیکھا یا سُنا ہے
تو تم یہ بھی جانتے ہو گے
کہ کچھ محسوسات سے
ہم آشنا رہ جاتے ہیں
باخبر نہیں

اور جو یہ سب کچھ جانتے ہیں
مانتے ہیں
کہ جو کچھ کرتا ہے آدمی
یا جو کچھ ہوتا ہے آدمی کے ساتھ
ایک ہی بات کے حصّے ہیں
یا ٹکڑے ہیں ایک ہی چیز کے

ایک ہے جذبہ
یکجائی سے انتشار تک
اور وہ دیکھتے ہیں
کہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے چاند
مگر گھٹنا بڑھنا
چاند کا دوسرا رُخ نہیں ہوتا

میرے لہو کی ساری روایت عجیب ہے
کردوں میں انتہا وہ اگر ابتدا کرے

منسوخ جو نہ ہو سکے ایسا نظام ہے
ہر بات کا ازل سے یہاں اہتمام ہے

چھاؤں میں بیٹھنے سے تو بہتر ہے جل مریں
سایہ تو روشنی کی رکاوٹ کا نام ہے

باہر کی آنکھ کھولتا ہے صبح کا وجود!
اندر سے جو جگاتی ہے ہم کو وہ شام ہے

انسان ابتدا سے شعور اس زمین کا
اس زاویے سے میرا ازل سے قیام ہے

ان کو خبر نہیں ہے کہ بیکار ہیں وہ سب
خود ہو رہا ہے جو یہاں لوگوں کا کام ہے

آغاز کو وہ جتنا کریں مختلف ملالؔ
ساری کہانیوں کا یہی اختتام ہے

اتنی سی بات ہے کہ یہاں آج کل ہے کیا
پیدا ہوا سوال ابد اور ازل ہے کیا

تجسیم ہو گئے ہیں جو اب آدمی کے پاس
تحلیل ہو گئے جو سوال ان کا حل ہے کیا

اس کے وجود سے ہی تو ہونا یہاں کا ہے
گر وہ نہ ہو ملالؔ تو نعم البدل ہے کیا

ویران مقبروں پہ کھڑے ہو کے سوچنا
کیا سود مند ہے؟ کسے کارِ زیاں کہیں؟

چھوٹوں کو چاہیئے کہ بڑے جب بھی گر پڑیں
رفتارِ کج نہیں اسے بارِ گراں کہیں

افسوس تو یہ ہے

افسوس تو یہ ہے
کہ ہمیں مٹّی سے نہیں کھیلنے دیا جاتا
اس وقت

جب مٹّی سے کھیلا جا سکتا ہے

اور دور رکھّا جاتا ہے
ان ہمجولیوں سے

جو نزدیک ہوتے ہیں ہماری فطرت کے

اور تلقین کی جاتی ہے چُپ رہنے کی
اس دوران
جب خواہش رکھتے ہیں ہم بولنے کی

افسوس تو یہ ہے
کہ گرد آلود کیا جاتا ہے ہمیں
اس وقت
جب دامن جھاڑ چکے ہوں اپنا

اور ملایا جاتا ہے
ان لوگوں سے
جو پیدا کرتے ہیں لہو میں ارتعاش

اور دعوت دی جاتی ہے گفتگو کی
اس لمحے
جب معنی نہیں رکھتے الفاظ

میں ڈھونڈتا ہوں کہ ساتھی کوئی ملے ایسا
جو میرے ساتھ رہے اور میں رہوں تنہا

سوال یہ تھا کہ ہونے کا فائدہ کیا ہے
کوئی بتاؤ میں اس کا جواب کیا دیتا

گذر گئی ہے جو ساعت وہ اب کدھر ہوگی
کہاں سے آنا ہے اس نے جو آئے گا لمحہ

اگر سنی تھی ہوا سے ازل کی سرگوشی
تو اس کے ہاتھ اَبد کو پیام کیا بھیجا

سفر ہے اس کا بلندی سے پستیوں کی طرف
اگر نہ شور مچائے تو کیا کرے دریا

ہوا نہ راکھ تو گردش میں ہو گیا شامل
مرے قریب سے ہو کر اگر کوئی گزرا

ملالؔ میرے لیے تو ہیں ایک جیسے سب
مگر یہ سب کو یہاں مختلف نظر آیا

دراصل تماشہ تو ہے مٹی کے سفر کا
باہر تو نتیجہ ہے فقط اس کے اثر کا

ٹھہرا ہوا شاید ہے ازل سے وہ کہیں پر
جو قافلہ چلتا ہے یہاں شام و سحر کا

دیکھ آیا ملالؔ اس کو یہاں پردے کے پیچھے
جو سامنے آجائے تو دھوکہ ہے نظر کا

ایسا لگتا تھا کہ کچھ بھول گیا
گو مکمل مری تیّاری تھی
شہر والوں سے وہ اوجھل تھی ملال
جو فضاؤں پہ تھکن طاری تھی

پہچان لے کہ خاک سے نکلے ہیں کیسے خواب
انسان کو شعور اب اپنے بدن کا ہو

تسخیر ہو گیا مگر ہوتا نہیں اسیر!
اب کیا علاج کوئی جہانِ کہن کا ہو

اس عہد کے سفیر تو ہیں کائنات گیر
کوئی رسول کیسے اب اپنے وطن کا ہو

جب گردشیں ہوں ذہن میں انساں کے ملال
کیا تجزیہ یہاں کوئی اس کے چلن کا ہو

اپنی ہستی کا سبب پانے کو ترسے پاگل
آدمی ہونے لگا موت کے ڈر سے پاگل

شہر کی روشنیاں اس کی گواہی دیں گی
رات ہوتے ہی نکل آتے ہیں گھر سے پاگل

خود کو صدیوں کے تسلسل میں اگر دیکھ سکو
تم بھی ہو جاؤ گے بے معنی سفر سے پاگل

یہ سمندر کہ لرز جاتی ہے دنیا جس سے
چاند کرتا ہے اسے ایک نظر سے پاگل

تلخیٔ غم نے ہی کتنوں کو دیا اوجِ کمال
اور کتنے ہوئے اس کے ہی اثر سے پاگل

جانے والوں کا پتہ راستے کب دیتے ہیں
بات کرتا ہے یونہی راہگزر سے پاگل

کیوں گزرتے ہوئے لمحوں سے لپٹتا ہے ملال
مت الجھ سلسلۂ شام و سحر سے پاگل

حیرت زدہ وہی گئے آخر جہان سے
آئے تھے چند لوگ یہاں آسمان سے

باتیں یہاں جو مجھ کو جگاتی چلی گئیں
گذری تو ہوں گی آخرش تیرے بھی دھیان سے

پھیلا رہا ہوں خود کو خلائے بسیط میں
حیرانیاں سمیٹ کر اس خاکدان سے

بہلاوے مانگتے ہیں مکینوں کے روز و شب
آسیب کیوں نکال رہے ہو مکان سے

جن موسموں سے ہو گئے مجھ جیسے بے لباس
تیرے لیے ہمیشہ رہے مہربان سے

ہوتا ہے اِک اشارہ جو طوفان کیلئے
آگے نکل گیا ہوں میں ایسے نشان سے

بویا تھا شک کا بیج کھلے ذہن میں ملالؔ
کونپل یقین کی نکل آئی گمان سے

یونہی بدلتا رہے گا وہ تا ابد شکلیں !
جو پہلا آدمی پیدا ہوا تھا زندہ ہے

وہ مجھ سا بن کے ملے ابتدا سے تھی خواہش
میں اپنے راستے ویران اب بھی کرتا ہوں

آتے رہیں گے لوگ کہیں سے یہاں ملالؔ
آتے رہیں گے اور رہیں گے زمین پر

انھیں روایتیں آئیں گی یاد کتنی قدیم
وہ سرد ہوتا ہوا آفتاب دیکھیں اگر

شہر کے بوڑھے لوگ کہتے ہیں
ایسے موسم کبھی نہیں آئے

اُنگلیوں پر گِنتی کا زمانہ

تم گِن چکے ہو
وہ چیزیں
جو گِنی جا سکتی ہیں انگلیوں پر
اور تم نے گِنی ہیں
انگلیاں

تم دیکھ چکے ہو
وہ عمل
جو دیکھے جا سکتے ہیں آنکھوں سے
اور تم نے دیکھی ہیں
آنکھیں

تم سوچ چکے ہو
ان باتوں کے بارے میں
جو گزرتی ہیں ذہن سے
اور تم نے سوچا ہے
ذہن کے متعلق

اور اگر اب شمار کرو تم
یہ تمام چیزیں اور عمل اور باتیں
تو تمہیں یاد آئے گا وہ زمانہ
کہ جب کرتے تھے تم
انگلیوں پر گنتی